P. O. REG. No. A 922

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علیگڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ، دو آنہ — چندہ، سالانہ، دو روپیہ

جلد ۸ | یکم مئی ۱۹۵۰ء | ایڈیٹر- قاضی عبدالغفار | ۱۴ رجب المرجب ۱۳۶۹ھ | نمبر ۹

کچھ اپنی باتیں

شاخسانے

ملک کے دستور میں زبان کا مسئلہ طے ہو جانے کے بعد اس مسئلہ سے کچھ کم اہم وہ شاخسانے بھی نہیں ہیں جو اب پیدا ہو رہے ہیں۔ حال ہی میں حکومت بمبئی نے یہ حکم جاری کیا ہے کہ جن مدارس میں سندھی زبان پڑھائی جاتی ہے وہاں اس زبان کی تعلیم کے لئے دیوناگری رسم الخط اختیار کیا جائے۔ اس خبر میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حکومت بمبئی کا یہ فیصلہ حکومت ہند کے اس فیصلہ پر مبنی ہے کہ سندھی زبان کا رسم الخط عربی کے بجائے دیوناگری ہونا چاہئے۔

اگر یہ خبر صحیح ہے تو حکومت بمبئی اور مرکزی حکومت کے اس فیصلہ کے نتائج پر تمام ایسے لوگوں کو جن کی مادری زبان کا رسم الخط دیوناگری سے مختلف ہے بہت سوچنا اور غور کرنا پڑے گا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جو عمل بمبئی میں سندھی زبان پر آزمایا جائیگا وہی دوسرے صوبوں میں دوسری زبانوں پر بھی شروع ہوگا۔

حکومتوں کے لئے تو شاید یہ سوال محض انتظامی ہو لیکن ذرا اس کی گہرائی میں جائی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ عوام کے لئے تو یہ ایک بہت بڑا بنیادی سوال ہے اس لئے کہ اس کا بہت گہرا تعلق مختلف علاقوں اور زبانوں کے قدیم ادب اور قدیم تہذیب سے بھی ہے۔ اگر زبانوں کا رسم الخط بدلا گیا تو ان کے قدیم اور بنیادی ادب سے نئی نسلوں کا تعلق ختم ہو جائیگا اور نئی نسلیں اپنی مادری زبان کی روایات سے ناواقف رہیں گی۔ آئندہ زبانوں کی عمارتیں ایسی عمارتیں بن جائیں گی جن کی بنیادیں کھوکھلی ہوں۔ کوئی ادب اپنے قدیم ذخائر سے بے تعلق ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس طرح گویا ماضی سے ہماری نئی نسلوں کا رشتہ کاٹا جا رہا ہے اور یہ ایک بہت ہی خطرناک منصوبہ ہے۔ یہ ایک ایسا انقلابی منصوبہ ہے جس کے فائدے اگر کچھ ہیں تو اس کے نقصان سے بہت کم ہیں۔

ملک میں تمدنی اور قومی یکسانیت اور ایک مشترکہ تہذیب پیدا کرنے کے لئے اگر اس فیصلہ کو ضروری سمجھا گیا ہے اور رفتہ رفتہ ملک کی دوسری زبانوں پر بھی یہ فیصلہ عائد ہونیوالا ہے تو ذرا ایک لمحہ توقف کر کے یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ تمام ایسی زبانوں کے (جن میں سے بعض بلاشبہ بہت ترقی یافتہ ہیں) قدیم ادب کو ختم کر کے کتنی بڑی قیمت اس منصوبہ کی ادا کی جائیگی جو بغیر اس قربانی کے بھی تکمیل پا سکتا ہے ——

اگر اس قدر عجلت نہ کی جائے اور ٹھہر ٹھہر کر اور سوچ سمجھ کر قدم اُٹھایا جائے۔

دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جہاں عام طور پر دو دو رسم الخط رائج ہیں۔ اسی طرح ہندستان میں بھی دو لکھاوٹوں کا رائج رکھنا کسی مشترک کلچر اور تہذیبی اتحاد کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ مہاتما گاندھی تو بیک وقت دو لکھاوٹوں کا سکھانا بہت آسان سمجھتے تھے اور اپنی تحریروں اور تقریروں میں بار بار اسی بات پر زور دیا کرتے تھے۔۔۔۔ لیکن اب ہم گاندھی جی کا نام کیوں لیں؟ حالات کچھ ایسے ہیں کہ وہ نام تو موجودہ ہنگامہ میں کسی بات کی بھی سند نہیں ہو سکتا!!

ہندستان کے دستور کی دفعہ ۲۹ میں مختلف علاقوں کے لوگوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنی مادری زبان کی حفاظت اور سیوا کریں۔ یہ ایک بنیادی حق ہے جسے تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن حکومت بمبئی کا یہ فیصلہ اس بنیادی حق میں مداخلت کرتا ہے۔ ذرا اس فیصلہ کی سطح کو کریدئے تو معلوم ہوتا ہے کہ تعلیمی نظم و نسق کے اس بظاہر رسمی اور معصوم حکم کے اندر مقامی زبانوں کے قدیم خزانوں کی بربادی کا سامان موجود ہے۔ دستور کی دفعہ ۲۹ اور اس حکم کو سامنے رکھ کر غور کیجئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ایک ہاتھ سے دیا گیا وہ دوسرے ہاتھ سے واپس لیا جا رہا ہے۔ سندھی یا کسی دوسری زبان کی حفاظت اور سیوا کا موقعہ ہی کیا باقی رہتا ہے جب بچے اپنی مادری زبان کے قدیم ادب سے بے خبر اور محروم ہو جائیں گے اور جب رسم الخط کو بدل کر ادب کی ان بنیادی روایات سے اُن کی دلچسپیاں ختم کر دی جائیں گی۔ اگر زبانوں کے درختوں کو اُن کی جڑ سے الگ کر کے بھی سرسبز رکھا جا سکتا ہے تو وہ تدبیر ہمیں معلوم نہیں!

کہنے کو تو شاید یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔۔۔۔ آج کل بہت سی ناقابل قیاس باتیں سرکاری اقتدار کے بھروسہ پر کہدی جایا کرتی ہیں۔۔۔۔ کہ ایسی زبانوں کے قدیم ادب کو بھی دیو ناگری میں منتقل کر دیا جائیگا۔ لیکن کون یقین کر سکتا ہے کہ ہندستان کی کم از کم دس بارہ ترقی یافتہ زبانوں کے قدیم ادب کو اس طرح منتقل کیا جا سکتا ہے۔ ایسا ہو گا بھی تو شاید ہمارے بچوں کے پوتوں کے زمانہ میں اس کی تکمیل ہو سکے۔۔۔۔ درحقیقت یہ تو اہل سیاست کی طفل تسلیاں ہیں۔ صاف بات تو یہ ہے کہ اس وقت جن لوگوں کو سوچنا چاہئے وہ سوچتے ہی نہیں یا پھر دوسری تمام زبانوں کو ختم کرنے کے لئے پچھلے دروازوں کے راستے پیدا کئے جا رہے ہیں تاکہ کہنے کو تو دستور کے بنیادی اصول بھی قائم رہیں لیکن علاقہ واری زبانوں کے کفن دفن کا بھی پورا پورا انتظام ہو جائے۔

اگر فوراً ہی اس ٹیڑھی چال کو نہ روکا گیا تو علاقہ واری اور اقلیتوں کی زبانوں کے لئے اس سمت میں بہت بڑا خطرہ درپیش ہے۔

ہلکے ہلکے اشارے

۔۔۔۔ میسور اسمبلی میں ایک ممبر صاحب نے بجٹ پر بحث کرتے ہوئے یہ تجویز پیش کی کہ ریاست کے اردو اسکولوں کو جن پر تقریباً دس لاکھ روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے بند کر دیا جائے۔ وزیر اعظم نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔

۔۔۔۔ لیکن سوال یہ ہے کہ صرف اُردو ہی کے سکول کیوں بند کئے جائیں۔ اگر قومی وحدت اور توحید کا تصور پیش نظر ہے تو پھر سوائے سرکاری زبان کے ہر دوسری زبان کے مدرسوں کو بند کر دیا جائے اور صاف کہدیا جائے کہ زبان تو صرف ایک ہی رہیگی۔۔۔۔ جنوبی ہند کی زبانوں کی حفاظت کے متعلق مرکزی پارلیمنٹ میں اتنی تسلیاں دی جا چکی ہیں کہ اب ذرا یہ کام آسان نہیں۔ درحقیقت ان زبانوں کی پوری پوری حفاظت کے وعدے ہی کی بنا پر جنوبی ہند کے ممبران پارلیمنٹ کا ووٹ ہندی کے حق میں حاصل ہو سکا تھا!۔۔۔۔ فی الحال وہ زبانیں تو یوں محفوظ ہوئیں اب رہی ایک اُردو زبان تو یوں سمجھئے کہ اُس کا تو اس وقت وہی حال ہے جیسے پرانے مکتبوں میں ملا جی کسی ایک بچے کو اپنی مار پیٹ کے لئے مخصوص کر لیا کرتے تھے تاکہ اُس کی گوشمالی سے باقی لڑکے بھی ڈر جائیں!

۔۔۔۔ شیعہ کانفرنس کے محترم صدر سید سلطان احمد نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ: "اپنی حیثیت سے ہندی کو ملک

کی قومی زبان قرار دیدیا گیا ہے۔ اس لئے ہمیں اُس کو مان لینا چاہئے۔ لیکن یہ زبان آسان اور سادہ ہو تا کہ ملک کے زیادہ سے زیادہ لوگ اُسے سمجھ سکیں۔ یہ عبوری دور ہے اس لئے یہ امید کرنا غلط ہوگا کہ مجلس قانون ساز، عدالتوں اسکولوں اور دوسرے پبلک اداروں میں سب ہندی کے جید عالم ہی ہوں۔ یہ مطالبہ بالکل ناقابل قبول ہے ہمیں اس زبان کو سیکھنے کے لئے کافی وقت ملنا چاہئے.....“

اگر ہم یہ حساب لگائیں کہ انگریزوں کی زبان سیکھنے کے لئے ہمیں کتنا وقت ملا تھا اور وہ عبوری دور کتنا طویل تھا تو اس زمانہ میں یہ بات قابل ذکر نہیں۔ عبوری دور اب کہاں ہے ــــ ہم کو تو ایک ہی چھلانگ میں زبان کی خندق پار کر لینی ہے!!

ــــ ”کان پور ۲۸ اپریل۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ جولائی سنہ ۱۹۴۹ء سے ہندی میں تاروں کی جو سروس جاری کی گئی ہے وہ کچھ مقبول نہیں ہو سکی ہے اس لئے کان پور سے روزانہ تقریباً چار ہزار تار انگریزی میں دئے جاتے ہیں اور ان میں ہندی میں دئے جانے والے تار شاید ایک فی صدی بھی نہیں ہوتے۔

محکمہ تار کے ایک ترجمان نے اس سلسلہ میں کہا ہے کہ اب اس بات کی ضرورت ہے کہ ہندی ساہتیہ سمیلن اور ملک کے لیڈر ہندی میں تار دینے کی مہم کو مقبول عام بنانے کی کوشش کریں۔

ترجمان نے بتایا ہے کہ ہندی تاروں کو عام کرنے کے لئے محکمہ تار نے ہر امکانی انتظام کر رکھا ہے۔ ہندی میں تختیاں لگا دی گئی ہیں، ہندی نعرے لکھ کر لگائے گئے ہیں۔ ہندی میں تار دینے کے لئے ایک الگ کھڑکی بنائی گئی ہے اور ہندی میں تار دینے اور لینے کے لئے صف بندی کا انتظام کیا گیا ہے۔ یہ سب انتظامات محض اس خیال سے کئے گئے ہیں کہ ہندی عوام میں مقبول ہو جائے اور لوگوں کو ہندی میں تار دینے کی عادت پڑ جائے۔

معلوم ہوا ہے کہ بریلی میں بھی ہندی میں تار دینے کا تار گھر قائم کیا گیا ہے۔ اس وقت سارے ملک میں ہندی کے بارہ تار گھر قائم ہو چکے ہیں یعنی آگرہ، الہ آباد، بنارس، لکھنؤ، گیا، پٹنہ، جبل پور، ناگپور، کان پور، بریلی، اندور اور دہرہ دون۔“

یہ ایک خبر ہے جو ہم نے نقل کر دی۔ دروغ بر گردن راوی!

اپنے دیس کی خبریں

بنارس مقامی انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ۹ اپریل کو ایک ادبی اجتماع ہوا۔ ڈاکٹر عبدالعلیم سرور اور جناب صوفی نے اپنی نظمیں اور ظفر الاسلام صاحب نے قطعات سنائے۔ ادیب و افسانہ نگار رام لعل صاحب نے اپنے ایک ناول کا ایک باب سنایا۔ نوجوان ادیب شعر ملیح آبادی مرحوم اور سر عبدالقادر مرحوم کی وفات میں تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔

حیدرآباد اردو مجلس کا ایک جلسہ ۹ اپریل کو زیر اہتمام مولوی کرم اللہ خاں صاحب منعقد ہوا جس میں مولوی ابرار حسین صاحب فاروقی نے ”اردو اور ہم“ کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھا۔ اس کے بعد شعر و سخن کی محفل منعقد ہوئی خواتین نے بھی شرکت کی۔

مظفر پور بزم سخن جی۔ بی۔ بی کالج کا ایک شاندار مشاعرہ ۲۰ مارچ سنہ ۵۰ء کو کالج ہال میں منعقد ہوا۔ مشاعرہ کی صدارت جناب سید محمد صاحب ایڈوکیٹ ایم۔ اے۔ ایل نے کی۔ صدر کا تعارف کراتے ہوئے جناب پروفیسر عطاء الرحمن صاحب نے آپ کے ادبی خدمات پر روشنی ڈالی۔ مقامی شعراء جناب وصی حیدر صاحب زیدی۔ جناب صالح حسین صاحب شوق۔ جناب عبادت کریم صاحب وفا۔ جناب محمد یٰسین صاحب پروفیسر سید الماپ صاحب پروفیسر اختر قادری صاحب کے علاوہ بیرونی شعراء جناب پروفیسر اختر او۔ صاحب جناب وفا براہی صاحب جناب عزیز الحق صاحب عزیز عظیم آبادی نے شرکت فرمائی۔ عابد صاحب سکریٹری بزم سخن نے شعراء اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔

پٹنہ ۲۲ مارچ کو شام کے ساڑھے ۶ بجے کو آپریٹو فیڈریشن ہال میں زیر صدارت آنریبل عبدالقیوم انصاری وزیر تعمیرات بہار، انجمن فروغ مصنفین کا پہلا سالانہ شاندار اجلاس شروع ہوا۔ سب سے پہلے مسعود عالم صاحب نے رپورٹ پڑھی۔ اس کے بعد مقابلہ مضامین نثر و نظم میں کامیاب ہونے والے طلباء کو صدر نے انعامات تقسیم

گئے۔ مولانا ریاست علی ندوی اور پروفیسر اختر اورینوی پٹنہ کالج کی تقریریں ہوئیں مؤخرالذکر مقرر موصوف نے انجمن نوخیز مصنفین کے مقاصد کو بے حد سراہا اور اس کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے اُمید ظاہر کی کہ طلبا کی سرگرمی اُردو کے لئے بے حد مفید ہوگی اس لئے اس کی شاخیں صوبہ کے ہر گوشہ میں کھلنی چاہئیں۔ آپ کی تقریر ختم ہونے پر صدر موصوف کے زیر صدارت مشاعرہ شروع ہوا۔ جس میں صوبہ اور بیرون صوبہ کے مشہور و معروف شعرأ شریک تھے۔ جن میں پروفیسر اختر اورینوی وفا براہی، حسن نعیمی، مانوس سہرامی، ڈپٹی نصیر حیدر، عزیز الحق شاہد بیگوی، رضا نقوی، بیتاب صدیقی، نجم ندوی، عبدالودود شمسی عرفان قادری، ناظم چکونوی۔ وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ نوخیز شاعروں کی بھی کافی تعداد تھی۔ مشاعرہ بے حد کامیاب رہا۔ آخر میں صدر جلسہ و مشاعرہ مسٹر عبدالقیوم صاحب انصاری وزیر تعمیرات نے ایک دلچسپ مختصر اور جامع صدارتی تقریر فرمائی۔

انجمن ترقی اُردو (پرنام بٹ)

سکرٹری صاحب نے اپنی سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

انجمن ترقی اُردو (پرنام بٹ) کا قیام چند علمی و ادبی ذوق رکھنے والوں کے ہاتھوں ۱۹۲۳ء میں عمل میں آیا تھا۔ کارکنانِ انجمن کا بنیادی مقصد اردو زبان کی اشاعت و ترویج تھا۔ آزادیٔ ہند نے جب اس کے لئے چند نئے مسائل کھڑے کر دئے تو ہمدردانِ اُردو کے لئے بھی کوئی نئی راہ عمل پیدا کرنا ناگزیر ہوگیا۔ اس کے علاوہ ہند کے دستور میں بھی اردو کو وہ جگہ حاصل نہ ہو سکی جس کی وہ مستحق تھی۔ ان ہنگامی حالات کا اثر خواہ کچھ بھی ہو گر ہمیں یقین ہے کہ قومی زبان تو وہی بن سکتی ہے جو ہندستان میں عام طور پر بولی اور سمجھی جاسکے۔ اردو ہی ایک ایسی زبان ہے جو اس معیار پر پوری اُترتی ہے جس طرح اس کا ماضی شاندار رہا ہے اسی طرح اس کا مستقبل بھی درخشاں رہے گا۔ اور ہماری جدوجہد بھی ضرور جاری رہیگی۔

حصول مقصد کے لئے ہم نے جو پہلا قدم اُٹھایا تھا وہ ایک دارالمطالعہ کا قیام تھا۔ سیاسی بیداری شہری حقوق اور عام معلومات کے پیدا کرنے میں اس کا زبردست حصہ رہا ہے۔ اخبارات و سیاسی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھتے ہوئے ہمیں پورا یقین ہے کہ یہ شعبہ کافی ترقی کرے گا۔ فی الحال اُردو کے کئی روزنامے اور تامل کے متعدد اخبار آرہے ہیں۔

صرف اخبارات و رسائل عوام کے ادبی تشنگی کو بجھا نہیں سکتے۔ اس لئے ہم نے ایک لائبریری کے قیام کا ارادہ کیا۔ چنانچہ چند اُردو کتابیں انجمن کے سرمایہ سے خریدی گئیں اور بعض کتابیں عوام کی جانب سے عطا کی گئیں اور اسے باقاعدہ لائبریری کی شکل دیکر عوام کی ادبی تشنگی کو دور کرنے کے لئے کافی مواد فراہم کیا گیا۔

مجلس عاملہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کا نام "ناشر العلوم" رکھا گیا ہے جس کے ذمہ اطراف و اکناف قریہ جات میں اردو کی اشاعت و علم کا پرچار کرنا ہے۔ اس کمیٹی کا وفد ہر ماہ قریہ جات کا دورہ کرتا ہے۔ چند ماہ بیشتر جبکہ ہمارا وفد پہلی مرتبہ ساتھ گڑھ گیا ہوا تھا۔ تو اس نے ایک عام جلسہ کو خطاب کرکے علم کی اہمیت و ضرورت بیان کی اور فرداً فرداً باشندگانِ ساتھ گڑھ سے درخواست کی کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دلائیں اور ان میں علمی شعور پیدا کریں۔ نیز انہیں یقین دلایا گیا کہ اس معاملہ ہماری انجمن ہر ممکن امداد کریگی۔ مذکورہ وفد نے مدرسہ دینیات کا بھی معائنہ کیا جو انجمن ہدایت المسلمین (ساتگڑھ) کی زیر نگرانی چل رہا ہے۔ ان کوششوں کے مفید نتائج بھی انشاء اللہ نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس کمیٹی کا دائرۂ عمل محض قریہ جات تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کمیٹی نے مقامی "اسلامیہ ہائی اسکول" و اسلامیہ پرائمری سکول میں چند ایسے لڑکوں کو داخل کیا جو بلا وجہ تعلیم سے محروم تھے۔ اس طرح داخل کئے ہوئے لڑکوں کی تعداد (۴۰) چالیس ہے انشاء اللہ اس سال بھی توقع ہے کہ اسی طرح کثیر تعداد میں لڑکے داخل کئے جائیں گے۔

حسب معمول ۱۰ رجون ۱۹۴۹ء میں انجمن کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں آیا جن میں جناب پی عزیز الرحمٰن صاحب

صدر جناب عبدالعزیز انصاری نائب صدر و جناب مجیبوی صاحب نائب صدر جناب پی محمد یعقوب صاحب معتمد جناب عبدالغنی صاحب جناب کے عبدالجلیل صاحب محاسب اور جناب مجیبوی حسین احمد صاحب لائبریری کے معتمد منتخب کئے گئے۔ خانگی وجوہ کی بنا پر پی محمد یعقوب صاحب نے معتمد کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا لہٰذا انتخاب ثانی اشرف علی صاحب کا معتمد کے عہدے پر تقرر ہوا۔

بنارس ۱۰ اپریل کو ۸ بجے شب مقامی انجمن ترقی اُردو کا ہفت روزہ ادبی اجلاس ہوا۔ جناب مسلم بنارسی نے صدارت فرمائی۔

صوفی صاحب۔ نذیر بنارسی صاحب۔ جاوید اختر صدیقی صاحب و مسلم صاحب نے نظمیں سنائیں، اور ڈاکٹر عبدالعلیم مسرور نے ایک افسانہ "کٹھ پتلی کا ناچ" پڑھا جو بہت پسند کیا گیا۔

آئندہ اجلاس ۲۰ اپریل کو بوقت ۱۰ بجے دن برمکان جناب نذیر بنارسی واقع مدنپورہ قرار پایا جس میں دیگر معمولی پروگرام کے علاوہ ایک تنقیدی مقالہ بھی پڑھا جائے گا۔

پٹنہ ۲۱ اپریل۔ آج شام میں حلقہ ادب بہار کے جنرل سکریٹری کی ہدایت کے مطابق جناب حکیم سید فخرالدین رازی صاحب کی صدارت میں یوم اقبال منایا گیا۔ تحریک صدارت کے بعد ہاشم رضا جوائنٹ سکریٹری نے گزشتہ مجلس کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ پھر محمد عزیر صاحب کی تحریک پر شاعر مشرق کی یاد میں تمام حاضرین نے دو منٹ تک کھڑے ہو کر مکمل خاموشی اختیار کی۔ پھر غلام سرور صاحب نے اقبال کی غزلوں پر اور مہتاب صدیقی صاحب نے اقبال کی شاعری پر تقریر کی کلیم عظیم آبادی صاحب نے "اقبال کی یاد" نظم سنائی اور صلاح الدین صاحب نے اقبال کی یاد میں چند سطریں خراج عقیدت کے طور پر پیش کیں۔ پھر کلیم سہسرامی صاحب نے "اقبال کے فلسفۂ عشق" پر اپنا مبسوط مقالہ سنایا۔ آخر میں جناب صدر نے اقبال کی شاعری پر تقریر کی۔

دانا پور ۲۱ اپریل کی شام کو محمد خلیل الرحمٰن کے دولتکدہ پر حلقہ ادب کا جلسہ منعقد ہوا۔ حلقے کے ہمدردان و ممبران معقول تعداد میں شریک تھے۔ اقبال کے متعلق نظمیں اور مقالے پڑھے گئے۔ اور تقریریں بھی ہوئیں۔

مراسلت

حلقۂ ادب بتیا

جناب من۔ حصول آزادی کے فوراً بعد ہی جہاں ہماری زندگی نے ایک بالکل نئی کروٹ بدلی اور ترقی کی تمام تر مسدود راہیں کھل گئیں۔ وہاں چند ناخوشگوار مسئلے بھی پیدا ہو گئے۔ اُردو کا مسئلہ بھی انہیں ناخوشگوار مسئلوں میں سے ایک تھا۔ آزادی کے بعد ہندستان کے عام اُردو داں طبقہ پر ایک عجیب سراسیمگی مایوسی اور ناامیدی کا گہرا بادل چھا گیا۔ ان میں جمود و تعطل کا احساس تیزی کے ساتھ پھیلتا گیا۔ اردو دانوں کا ایک بہت بڑا حلقہ اس کی طرف سے مایوس نظر آنے لگا۔ غرض کہ پورے ہندستان میں اُردو کی طرف سے مایوسی ہو چلی تھی۔ ٹھیک اس زمانہ میں ہم نے اُردو کی ان بدلی ہوئی حالات کا خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ جائزہ لیا۔ حالات کا تجزیہ کیا اور نتیجہ کے طور پر ۲۵ اپریل ۱۹۴۹ء کو حلقۂ ادب بہار کا قیام عمل میں آیا۔ ہمارا حلقہ ایک خودمختار ادبی ادارہ ہے۔ آج حلقۂ ادب بہار کی پندرہ شاخیں صوبہ کے مختلف شہروں میں نہایت خلوص، سنجیدگی اور جانفشانی کے ساتھ اُردو زبان و ادب کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ حلقۂ ادب بتیا انہیں سرگرم شاخوں میں سے ایک ہے ہم اردو زبان کو سہل، عام فہم اور صحت مند بنانا چاہتے ہیں۔ ہم اپنی زبان کو دنیا کی تمام دیگر زبانوں کے صف اول میں دیکھنے کے متمنی ہیں۔ ہم زبان کو مخصوص قانونوں میں مقید کر دینے کے مخالف ہیں۔ ہم زبان میں لچک، وسعت اور سادگی کے خواہاں ہیں۔ اُردو کی ترقی کے لئے ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ دیگر زبانوں سے استفادہ کیا جائے اور اُن سے مناسب مدد لی جائے۔

ادب کے متعلق بھی ہمارے خیالات صاف ہیں۔ ہمارا ادب زندگی اور انسانیت کے لئے ہے۔ ہم فرقہ بندی کو ناجائز سمجھتے ہوئے ادب کو ایک وسیع چیز سمجھتے ہیں۔ ہمارے خیال میں ادب کا مقصد اولین انسانیت کی نجات ہے اور ہم اس کے لئے کوشاں ہیں۔

ماہر کریمی جنرل سکریٹری

غزل

(از حضرت خمار انصاری)

پھر افق کے سینہ پر رنگ و نور لہرائے
صبح کی کرن پھوٹی راستے نظر آئے

حادثوں کے طوفان نے لاکھ جال پھیلائے
جو ابھرنے والے تھے ڈوب کر ابھر آئے

گو میری حضوری میں لاکھ آفتاب آئے
پھر بھی زندگی پر ہیں تیری زلف کے سائے

درد کو صدا دی تھی موت کو پکارا تھا
آپ سے نہیں مطلب آپ یاد کیوں آئے

آرزو میں دامن کی دھجیاں بھی کھو بیٹھے
ہم تو تھے ہی دیوانے تم خرد سے کیا لائے

ہم لٹے ہیں راہوں میں ہم سے ماجرا پوچھو
کتنے راہزن دیکھے کتنے راہبر پائے

آپ کی سیاست کا یہ کمال کیا کم ہے
غرق بھی کئے بیڑے ناخدا بھی کہلائے

("ادب لطیف")

بہار میں انجمن ترقی اُردو

۲۹ مارچ ۱۹۵۰ء کو بمقام بلدپوکھر ضلع سنگھبوم انجمن ترقی اُردو ہند کی شاخ قائم کی گئی اور مندرجہ ذیل حضرات عہدہ دار منتخب ہوئے۔

اُردو کی مفت تعلیم دینے کے لئے اردو لائبریری بلدپوکھر میں شبینہ مدرسہ بھی قائم کیا گیا ہے۔

صدر جناب عبدالرشید صاحب۔ نائبین صدر جناب عبدالسبحان صاحب و جناب شیخ محمد حاجی صاحب سکریٹری جناب محمد ادریس علی صاحب۔ نائبین سکریٹری جناب غیاث الدین صاحب و جناب محمد نجیب صاحب۔ محمد ادریس علی سکریٹری۔

اُردو پریس کانفرنس

لکھنؤ میں اردو پریس کانفرنس کا جلسہ زیر صدارت پنڈت میلارام صاحب وفا اڈیٹر "امرت" کانپور منعقد ہوا۔ آچاریہ نریندر دیو نے کانفرنس کا افتتاح کیا اور صدر مجلس استقبالیہ عبدالرؤف صاحب عباسی ایڈیٹر اخبار حق نے اپنا خطبہ پڑھا۔

کانفرنس کے صدر نے اپنے خطبہ صدارت میں یو۔ پی میں اُردو زبان کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ:۔

سوتیلی ماں کا سلوک

"دنیا جانتی ہے کہ یو پی اُردو کا گھر ہے مگر یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اُردو کے ساتھ اُس کے گھر میں ایسا سلوک ہو رہا ہے جیسا کسی بچے کے ساتھ ایک سوتیلی ماں کا ہوتا ہے اس سلوک یا بدسلوکی کی زد براہ راست اردو اخبارات پر پڑ رہی ہے۔ ملک کی تقسیم سے پہلے اُردو اخباروں کے مسائل بھی وہی تھے جن کا سامنا دوسری زبانوں کے اخبارات کو ہوتا ہے...... مگر ملک کی تقسیم کے بعد ڈھائی سال کے عرصہ میں کچھ ایسے مسائل بھی پیدا ہو گئے ہیں جن کو اردو اخبارات کے مخصوص مسائل کہنا چاہیے...... اگرچہ پہلے اس کانفرنس کی سرگرمیاں عام طور پر دوسری زبانوں کے اخبارات سے مل کر مشترکہ مسائل کا حل تلاش کرنے تک محدود نہیں تو

اب خاص طور پر اردو اخبارات کی ہستی مٹنے سے بچانے پر مرکوز کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس صورت حالات کا بڑا سبب وہی سوتیلی ماں کا سا سلوک ہے جو ملک کے آزادی حاصل ہونے کے بعد اُردو کے ساتھ روا رکھا جا رہا ہے ...... یہ دعویٰ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے کہ جہاں تک ادائے مطالب پر قدرت رکھنے کا تعلق ہے اردو ہمارے ملک کی کسی زبان سے ایک قدم پیچھے نہیں اور بہت سی ملکی زبانوں سے کوسوں آگے ہے ...... اگر بقائے بہترین کے اصول کو بروئے کار رہنے دیا جائے اُس کی ترقی میں آئینی قانونی اور انتظامی۔

آئینی قانونی اور انتظامی رکاوٹیں

رکاوٹیں حائل نہ کی جائیں تو یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ زبان رہتی دنیا تک زندہ رہنے اور آب و تاب کے ساتھ زندہ رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مشکل یہ ہے کہ زبان کے مسئلہ کو مذہب کی عینک سے دیکھنے کا میلان پچھلے دو ڈھائی سال کے عرصہ میں بیجا تعصب کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اس میلان کی تہ میں یہ غلط خیال کارفرما ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے .... اردو اخبارات کی دنیا میں تو ہندوؤں کے کارنامے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ پنجاب اخبارات کا سب سے بڑا مرکز تھا اور ایک حقیقت ہے کہ وہاں کے ہندوؤں کے اخبارات کی مجموعی اشاعت مسلمانوں کے اردو اخبارات کی اشاعت سے چار چند سے بھی زیادہ تھی۔ اب مشرقی پنجاب میں بھی جہاں مسلمانوں کی آبادی نہ ہونے کی برابر ہے انگریزی کے ایک اخبار "ٹریبون" اور گورمکھی کے ایک اخبار "اکالی پتریکا" کو چھوڑ کر ہندوؤں اور سکھوں کے تمام روزانہ اخبارات اردو میں شائع ہوتے ہیں ....

بڑے تعجب کی بات

ایک بات جو خاص طور پر بڑے تعجب کی ہے یہ ہے کہ اُردو کے مخالفوں میں ایسے لوگ پیش پیش نظر آتے ہیں جو اکھنڈ بھارت کا نعرہ بلند کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اس حقیقت کو نظرانداز کر جاتے ہیں کہ اگر بھارت کی اکھنڈتا بحال ہوتی ہے و پاکستان کو پھر بھارت کے ساتھ ملنا ہے تو بھارت میں ایک ایسی زبان کا زندہ رہنا ضروری ہے جسے پاکستان کے لوگ بھی سمجھ سکتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی زبان اردو ہی ہو سکتی ہے۔ اگر اُردو کو مٹانے میں اُردو کے مخالفوں کی کوششیں کامیاب ہو جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا کیا ہوگا کہ تیس چالیس سال کے بعد نہ بھارت والے پاکستان والوں کی زبان سمجھ پائیں گے اور نہ پاکستان والے بھارت والوں کی ...... اُردو کے ان مخالفوں میں بہت سے گاندھی بھگت بھی ہیں خاص کر ان معنوں میں کہ وہ بات بات میں گاندھی جی کے نام کا واسطہ دیتے ہیں، معلوم نہیں انہیں یہ بات کیوں فراموش ہو جاتی ہے کہ گاندھی جی اُس زبان کے حق میں تھے جسے ہندوستانی کا نام دیا جاتا ہے .... یعنی ہندوستان گیر زبان کو مٹانے پر تل جانا اور مٹانے کے سامان کرنا سراسر ناانصافی ہے۔

اُردو کُشی کی اس مہم میں اردو اخبارات پر عرصۂ زندگی تنگ ہو رہا ہے ...... اُردو کو درسی زبان اور ذریعۂ تعلیم ہونے کی حیثیت سے ہٹا کر اردو اخباروں کے پڑھنے والوں کا دائرہ تنگ کیا جا رہا ہے۔ اُن کی آواز پر شاذ و نادر ہی توجہ دی جاتی ہے اور عموماً اُسے بہرے کانوں سنا جاتا ہے۔

اچاریہ نریندر دیو

اچاریہ نریندر دیو نے اپنے افتتاحی خطبہ میں کہا کہ "اگر ہم زندہ رہنا چاہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری قوم عزت کا مقام حاصل کرے تو ضروری ہے کہ ہم قوم پرستی اور جمہوریت کو ایک زندہ تصور بنائیں" انہوں نے کہا کہ اب وقت ہے کہ ہمارے اخبار ملک کو اُس بربادی سے بچائیں جو آنے والی ہے اگر تنگ نظر فرقہ پرستی نے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کر لیا۔ آخر میں اچاریہ جی نے اردو صحافت کی ان دشواریوں کا ذکر کیا جو مخصوص مفاد رکھنے والوں کی طرف سے پیدا کی جاتی ہیں اور مشورہ دیا کہ ان ہی سخت حالات میں رہ کر اُردو اخبار نویسوں کو اپنی طاقت بڑھانا چاہیے۔

قرارداد

کانفرنس نے ایک تجویز کے ذریعہ نہرو لیاقت سمجھوتہ کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ اس کو

کامیاب بنانے کی ذمہ داری بڑی حد تک اخباروں پر ہے اس لئے ہندوستانی اخباروں سے بالعموم اور اردو کے اخباروں سے بالخصوص یہ اپیل کی گئی کہ وہ اسے کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔ ایک اور تجویز کے ذریعہ اردو صحافت کے معیار کو بلند کرنے کی طرف اخبار نویسوں کو متوجہ کیا گیا اور کہا گیا کہ وہ اُس میں صحیح قوم پروری اور جمہوری اسپرٹ اور زیادہ پیدا کریں زبان کو آسان بنایا جائے تبصرے تنقید زیادہ سنجیدہ ہوں ذاتی اور پست بحثوں سے دامن بچایا جائے ایک اور تجویز میں اخباری زبان اور اصطلاحات کو آسان اور عام فہم بنانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو غور و خوض کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے گی۔ ایک تجویز کے ذریعہ اس جماعت کا دستور العمل مرتب کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جو ایک ماہ کے اندر اسے پیش کرے گی۔ ایک تجویز کے ذریعہ حکومت کے ان قوانین کے استعمال پر احتجاج کیا گیا جس کے ماتحت لوگوں کے خلاف بغیر مقدمہ چلائے ہوئے انہیں نظر بند رکھا جاتا ہے کیونکہ ایسا کرنا جمہوریت کے دعوے کے منافی ہے۔ کانفرنس میں ایک آخری تجویز جس پر کافی مباحثہ ہوا وہ انتخابات سے متعلق تھی۔ گزشتہ عہدہ داران کانفرنس اور ورکنگ کمیٹی کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے یہ طے کیا گیا کہ جب تک کانفرنس کے آئین و دستور مرتب نہ ہوں اس کے عہدہ داروں کے انتخاب کو ملتوی کر دیا جائے اور ایک عارضی کمیٹی بنائی گئی جس کے کنوینر صدر کانفرنس ہوں گے اور کام چلانے کے لئے یہ کمیٹی کام کرتی رہے گی اور دستور کے مرتب ہونے کے بعد انتخابات کے لئے کانفرنس کو مدعو کیا جائے گا۔

رسالے

نوائے ادب انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا سہ ماہی رسالہ کی اشاعت بابت جنوری سنہ ۱۹۵۰ء ایڈیٹر ظہیر الدین مدنی۔ چندہ سالانہ ۳ روپے۔

ہمیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ بمبئی کا یہ اہم ادارہ اس قدر معیاری رسالہ شائع کر سکا ہے اور صوبہ بمبئی میں بھی اُسے ایسے اچھے اُردو کے معیاری مضامین لکھنے والے میسر آ سکے۔ ہم نوائے ادب کے ایڈیٹر اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے اردو ادب کی محفل میں ایک فضا افروز چراغ روشن کیا ہے۔ رسالہ کے آخری حصہ میں "مقالہ نما" کے عنوان کے تحت اردو ادب کی ایک نئی فرہنگ پیش کی گئی جس میں مختلف کتابوں اور رسالوں سے اچھے اچھے مضامین کے اقتباسات اس طرح جمع کر دیئے گئے ہیں کہ ارباب ذوق بیک نظر یہ معلوم کر سکیں کہ کس موضوع پر اور کہاں کوئی اچھا مقالہ شائع ہوا ہے۔ یہ جدت اس قابل ہے کہ اسے جاری رکھا جائے اور وہ نوائے ادب کا ایک نمایاں پہلو بن جائے۔ مغربی ممالک کے بعض رسائل میں یہ طریقہ رائج ہے اور وہاں کے علمی حلقوں میں بہت مفید سمجھا جاتا ہے۔ اردو ادب کی محفل میں ہم نوائے ادب کی پہلی اشاعت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

شاعر سالنامہ ۱۹۵۰ء۔ مدیر اعجاز صدیقی۔ مکتبہ قصر الادب آگرہ۔ قیمت سالانہ پانچ روپے۔

ملک کی تقسیم کے بعد ہندوستان کے بعض مشہور اور اچھے رسائل بند ہو گئے یا پاکستان میں منتقل ہو گئے۔ اس طرح اردو ادب کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے اور ہندوستان میں اردو ادب کے حلقوں میں ایک خلا پیدا ہو گیا۔ اب جو رسالے باقی ہیں یا جو نئے رسائل جاری ہو رہے ہیں انہیں اس کمی کو پورا کرنا ہے شاعر نے اپنے سالنامہ میں مضامین کا معیار بلند رکھا ہے اور اپنے صفحات پر اچھے اچھے لکھنے والوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس ذہنی انتشار کے زمانہ میں جبکہ لوگ اُردو زبان کے مستقبل کے متعلق مایوس نظر آتے ہیں مایوسی کے اس احساس کو اچھے اچھے رسائل اور کتابوں کی اشاعت ہی رفع کر سکتی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اُردو زبان کے ادب کی شمع کو سیاسی انقلابات کی باد مخالف گل نہیں کر سکتی اور جب تک اردو کے ادیب اپنا کام کرتے رہیں یہ محفل ضرور آباد رہیگی۔ شاعر کے سالنامہ میں اچھے افسانوں کے علاوہ فنی اور علمی موضوعات پر بھی اچھے اچھے مضامین پیش کئے گئے ہیں۔ اس زمانہ میں کتابت و طباعت کا بھی اس قدر اچھا ہونا قابل مبارکباد ہے۔

نئی صدی جالندھر اور دہلی سے نندلال بیش صاحب یہ ماہوار رسالہ شائع کرتے ہیں۔ ہمارے پڑھنے والوں کو شاید یہ معلوم کر کے تعجب ہو کہ مشرقی پنجاب میں اب بھی اردو زبان کے پریمی موجود ہیں اور اپنا کام کر رہے ہیں۔ لیکن ہمیں تعجب نہیں ہوا، اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ ہماری زبان کی جڑیں بہت گہری ہیں اور اُس کا پھیلاؤ ایسا نہیں کہ سیاسی جھگڑے اُسے ختم کر سکیں۔ حال ہی میں امرتسر کے سکھ بھائیوں نے وہاں انجمن کی ایک شاخ قیام کی ہے اور مشرقی پنجاب کے مختلف مقامات سے اردو کے اکثر پریمی ہمیں ایسے خطوط لکھ رہے ہیں جس سے ہماری ہمت افزائی ہوتی ہے۔ نئی صدی کے قابل اڈیٹر جس قوت کے ساتھ اردو زبان کی حمایت کر رہے ہیں اُس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن کے لئے شمالی ہندستان میں بھی کام کرنے کا میدان کتنا وسیع ہے نئی صدی کی اشاعت سے ہم اڈیٹر کے حسب ذیل خیالات نقل کرتے ہیں:-

"......سوال محض یہ ہے کہ اُردو کا کیا بنے گا کیا اسے محض اس لئے ملک بدر کر دیا جائے گا کہ پاکستانیوں کے رویّہ کے باعث ہمارے دل میں اُس کے لئے نفرت پیدا ہو گئی ہے اور اس نے ہندی کی سوکن کی سی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہندی اپنی جگہ پھلے پھولے لیکن اُردو کو بھی زندہ رہنے کا موقعہ دیا جائے اور ہندستانی زبان جہاں دیوناگری لپی میں لکھی جائے۔ وہاں اُردو لپی میں بھی چلتی رہے۔ بدقسمتی سے فضا ایسی پیدا ہو چکی ہے کہ اُردو کے حق میں کہی گئی کوئی بات کسی کو بھی نہیں لگتی۔ یہ آواز کتنے بھی زور سے اُٹھائی جائے صدا بصحرا معلوم ہوتی ہے اور اس پر پاکستانی دوست ہیں کہ وہ آئے روز کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں کہ اُردو کے حامی خود بخود بے بس ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی یہ دلیل کمزور پڑ جاتی ہے کہ اُردو کوئی غیر ملکی زبان نہیں اُردو کوئی غیر ملکی رسم الخط نہیں۔ جس طرح غیر ممالک سے آئے ہوئے مسلمان صدیوں تک یہاں رہنے کے باعث ایسے ہی ہندستانی بن گئے ہیں جیسے خود ہندو اور جس طرح لیاقت علی کے بار بار چلانے کے باوجود کہ ہندستان کے تین کروڑ مسلمان غلام ہیں وہ سیکولر سٹیٹ میں پوری پوری آزادی سے زندہ ہیں اور اُنہیں برابر کے شہری حقوق حاصل ہیں۔ اسی طرح اُردو کو بھی اُس کی حیثیت کے مطابق حقوق دئے جائیں۔ اسے مسلم منکوحہ عورت" نہ سمجھا جائے اور خالص نکاسی جائیداد بھی قرار نہ دیا جائے بلکہ اسے بھی ایک ہندستانی چیز سمجھا جائے جیسے مسلمان پاکستان میں بھی آزاد ہیں اور یہاں بھی اسی طرح جیسے اُردو پاکستان میں زندہ ہے اسے یہاں بھی زندہ رہنے دیا جائے اور پھر کروڑوں غیر مسلم بھی تو ایسے ہیں جو اُردو میں کاروبار کرتے ہیں بلکہ جن کا ذریعہ روزگار ہی اُردو ہے۔ اُردو کو ملک بدر کرنے سے اُن کو بھی تو بھاری نقصان پہنچے گا اور وہ بھی ملک کا ہی نقصان ہو گا۔"

اُردو ادب کی تاریخ کا ایک گوشہ

جو ابھی تک اہل قلم کی توجہ سے محروم رہا ہے۔ اُن قدیم چھاپہ خانوں اور مطبعوں کے کارنامے ہیں جنہوں نے ایک زمانہ میں اُردو ادب کے دریا بہائے تھے۔ انہوں نے ۱۹ ویں صدی میں اُردو ادب کے خزانے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے اور دونوں ہاتھوں سے تقسیم کئے۔ اس فہرست میں فورٹ ولیم کے بعد پہلا نام نولکشور پریس کا ہے۔ اور پھر کانپور آگرہ اور دلی کے بعض قدیم پریس تھے، جنہوں نے بلا مبالغہ اُردو کی ہزاروں کتابیں اور سینکڑوں ترجمے شائع کئے۔ ان چھاپہ خانوں اور اُن کے مالکوں کا نام اُردو ادب کی تاریخ کے صفحات پر سنہری حرفوں میں لکھا جائیگا۔

عجیب بات ہے کہ ہمارے جن ادیبوں نے اردو ادب کی تاریخ لکھی وہ ان چھاپہ خانوں اور اُردو کتابوں کی اشاعت کرنے والوں کو بالکل بھول گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج اُردو زبان کے ان قدیم محسنوں کے حالات کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ شاید چند ہی پرانے لوگ باقی ہیں جن سے ہم کچھ معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔

انجمن نے اردو ادب کی تاریخ میں اس کمی کو پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے اور یہ سمجھ کر ایسا کیا ہے کہ اگر اب بھی توجہ نہ کی گئی تو چند روز بعد ادب کی تاریخ کا یہ رخ کھوکھلا رہ جائیگا۔

اُردو زبان کے ادیبوں اور مصنفین کے حالات تو

کچھ نہ کچھ مختلف اوراق میں جمع ہو چکے ہیں لیکن تاریخ ادب کی تکمیل کے لئے ضرورت ہے کہ قدیم چھاپہ خانوں سے متعلق کافی مواد جہاں سے بھی ملے اور جس طرح بھی ملے حاصل کیا جائے ۔ انجمن اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کرسکتی کہ ادب کے ہر پہلو کی ترقی کے لئے اُس کی قدیم بنیادوں سے ربط قدیم رکھنا کس قدر ضروری ہے ۔

لہٰذا یہ استدعا کی جاتی ہے کہ جو اصحاب اُن قدیم چھاپہ خانوں کے حالات جمع کرسکیں یا جن کے پاس اس قسم کا مواد جمع ہو وہ ہماری مدد کریں ۔ ہر صورت میں اہلِ قلم کو معقول معاوضہ دیا جائے گا جن اصحاب تک ہمارا یہ پیام پہنچے وہ انجمن کے سکرٹری کو لکھیں اور بتائیں کہ کس حد تک وہ اس کام میں ہماری امداد کرسکتے ہیں ۔

ڈیرہ دون میں بزم شعرا

ڈیرہ دون کی اشد ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بزم شعرا قائم کی گئی ہے ۔ جس کے مقاصد یہ ہیں کہ :۔

ڈیرہ دون شہر میں ادبی (ہندی، پنجابی، اُردو اور انگریزی) محفل مشاعرہ کے ذریعہ ہندو یونین کی پالیسی اور مقاصد کے مطابق بھارت درش کو اصلی روپ میں ڈیموکریٹک سیکولر سٹیٹ بنانے کی کوشش کی جائے ہر ماہ میں کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ چار محفل مشاعرہ منعقد کی جائیں اور بیرونی شعرا حضرات کو مدعو کرکے مشاعروں کو کامیاب بنایا جائے غریب ادیبوں کی مالی امداد اور اُن کے کلام کو شائع کرانے میں مدد دی جائے ہر مشاعرہ کی اچھی اچھی غزلوں کو پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا جائے اور ہر سال کا چھاپہ پروگرام ایک کتاب کی صورت میں شائع کیا جائے ۔

فی الحال بزم کے انتظام کے لئے اور مندرجہ ذیل اصحاب آنریری کام کرینگے جب تک کہ ممبران اپنے ورکرز نہ چن لیں ۔

(۱) پریذیڈنٹ شری بی ۔ ایس کنول منیجر شری ڈیری فارم ڈیرہ دون (۲) آنریری سکرٹری سی ۔ بی ۔ پریتم ۔ ایم ۔ اے (۳) ڈپٹی سکرٹری (۴) شری لے ۔ ایل بھاٹیہ ۔ اراکین شری رام لال ۔ شری کیسرداس جی آنریری اکاؤنٹنٹ شری کرشن لال جی بھاٹیہ ۔

راقم ۔ سی ۔ بی ۔ پریتم المعروف آتم ڈپٹی ایم ۔ اے (الف سی ایس) بی ٹی (پنجاب)

پرچھائیں

تصنیف ۔ آصف علی صاحب

آصف علی صاحب ، اگرچہ ایسا کو ایک سیاسی لیڈر کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن کم لوگوں کو معلوم ہو کہ ان کی سیاست کے پردے میں ایک نازک خیال ادیب فلسفی اور مفکر کی روح بھی ہمیشہ چھپی رہی ہے ۔

انجمن ترقی اُردو نے اپنے جدید دور میں سب سے پہلی کتاب اُن کی تصنیف شائع کی ہے جس میں ان کے ادبی افکار کی بہت سی پرچھائیاں اس طرح چل پھر رہی ہیں کہ اگر مطالعہ گہرا ہو تو ان پرچھائیوں کے پردے میں زندگی کی بہت سی حقیقتیں جھانکتی ہوئی نظر آئیں ۔

اعلیٰ درجے کے اُردو ٹائپ میں بہت اچھے کاغذ پر کتاب پیش کی جا رہی ہے اور یقین ہے کہ ملک میں بہت مقبول ہوگی ۔ قیمت چار روپے

مہتمم ۔ انجمن ترقی اُردو (ہند)

علیگڈھ

شرائط ایجنسی

۱ ۔ پانچ پرچوں سے کم کے لئے ایجنسی نہیں دی جائے گی ۔

۲ ۔ ہر اشاعت کے مطابق پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جائینگے ۔ وی پی کے اخراجات دفتر برداشت کرے گا ۔ لیکن اگر وی پی واپس ہوئے تو آمد و رفت کے اخراجات اور پرچوں کی قیمت ایجنٹ کے زرِ ضمانت سے وصول کی جائے گی ۔

۳ ۔ کمیشن ۲۰ فیصدی دیا جائے گا ۔

۴ ۔ ایجنٹ کو ضمانت حسب تفصیل ذیل جمع کرنی ہوگی ۔

۵۰ پرچوں تک ۔۔۔۔ پانچ روپے

۵۰ ۔۔۔۔ دس ۔۔۔۔

۱۰۰ ۔۔۔۔ بیس ۔۔۔۔

۵ ۔ جو پرچے فروخت نہ ہوں گے وہ واپس نہ لئے جائیں گے

مہتمم ۔ ہماری زبان

نرخنامہ اشتہارات

	فی اشاعت	۳ ماہ	۶ ماہ	ایک سال
¼ صفحہ	4/8	25/-	45/-	80/-
½ صفحہ	7/-	40/-	75/-	130/-
¾ صفحہ	12/-	60/-	100/-	150/-
پورا صفحہ	20/-	100/-	175/-	300/-

پہلے صفحہ پر نام کے دونوں طرف جو جدولیں ہیں ان کا نرخ فی جدول فی اشاعت دس روپیہ ہوگا ۔

مہتمم ۔ "ہماری زبان" انجمن ترقی اُردو علیگڈھ

باہتمام عزیز حسین خان منیجر مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں چھپا اور قاضی عبدالغفار صاحب پبلشر نے صدر دفتر انجمن ترقی اُردو علی گڑھ سے شائع کیا ۔